برطانوی عہد کے مسلم معاشرے پر اثرات

محمد حمود لکھوی*

محمد حماد لکھوی**

برصغیر پاک و ہند پر طویل مسلم دور اقتدار کے بعد برطانوی سامراج کا آغاز اس وقت ہوا۔ جب ایک تجارتی کمپنی جو کہ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ۱۶۰۰ء میں قائم ہوئی اور برصغیر میں آہستہ آہستہ اپنی سیاست کاری، چالاکی، موقع پرستی اور دھوکہ دہی سے بالآخر ۱۷۵۷ء میں کچھ علاقوں پر قابض ہو کر حکومت کرنے لگی۔ اور پھر بتدریج یہاں کے حکمرانوں کی طوائف الملوکی اور نا اہلیوں سے فائدہ اٹھا کر پورے برصغیر پر قابض ہو گئی۔ اور پھر دو صدیوں تک اس خطے کے سیاہ و سفید کی مالک بنی رہی۔ اس کمپنی نے یہاں کے لوگوں کے مذہب، معاشرت اور تہذیب و تمدن سے لے کر زندگی کے ہر گوشے پر اثر ڈالا۔ نہایت اختصار سے اب ہم اس زمانے کے سیاسی و سماجی رجحانات کا نقشہ پیش کریں گے۔

انگریزی عہد سے پہلے مسلم معاشرے کے کیا رجحانات تھے۔ اسے جان لینا ضروری ہے تاکہ برطانوی دور اقتدار کے مسلم معاشرے پر اثرات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ مسلم معاشرے پر فرنگی دور کے اثرات و نتائج کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں تاریخ کے بند دریچوں کو کھول کر جھانکنا ہو گا۔

انگریزی عہد سے قبل ہندوستان میں رہنے والے لوگوں کی اخلاقی و سماجی اور سیاسی حالت کیا تھی۔ انگریزی عہد میں لوگوں کے حالات اور معاملات کی کیا صورت ہو گی۔ دونوں ادوار کا جائزہ لینے سے عمومی رجحانات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:۔

''اس زمانے میں عام طور پر ہندوستانیوں میں مہمان نوازی، انسانی ہمدردی غربا اور مصیبت زدگان پر شفقت اور رحم، عہد و پیمان کا تحفظ اور پابندی، خدا ترسی اور سچائی، امانت داری اور سخاوت، وفاداری اور جفاکشی، چستی اور بیداری، شجاعت اور مردانگی وغیرہ اوصاف جمیلہ بڑے پیمانے پر پائے جاتے تھے۔ سچ بولنا تو اس قدر ضروری سمجھا جاتا تھا کہ جرائم پیشہ اشخاص بھی اس کے بہت زیادہ پابند ہوتے تھے۔ تجارتی کھاتوں کی وہ حرمت تھی کہ کسی تنازعہ لین دین کے بارے میں ان کا پیش ہو جانا عدالت کے نزدیک ناقابل تردید شہادت سمجھا جاتا تھا''۔(۱)

---

* لیکچرار، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، اوکاڑہ

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، جامعہ پنجاب، لاہور

پروفیسر سید سلیم صاحب ایک انگریز سیاح کی رائے یوں نقل کرتے ہیں:

''مذہب اور اخلاق کے معاملے میں ہندوستانی ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر یورپ کے مسیحی شرمائیں، قتل اور خون ریزی اور زنا کاری پر سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان سزاؤں سے شہزادے اور شہزادیاں تک مستثنیٰ نہیں۔ اگرچہ بت پرست (ہندو) خدائے واحد و برحق کے حقیقی علم سے ناواقف ہیں، ان میں بھی زنا کاری شاذ و نادر ہوتی ہے۔ شادی شدہ اپنی بیویوں سے بے وفائی نہیں کرتے۔ لواطت (ہم جنس پرستی) کا وہ نام نہیں جانتے۔ ان کی شادیاں اوائل عمر میں ہو جاتی ہیں۔ وہ ان بدیوں میں نہیں پڑتے''۔ (۲)

انہوں نے ایک مدت تک بادشاہی نظام کے تحت زندگی گزاری ہے۔ جو پوری طرح اسلامی نظام نہیں تھا۔ مگر اس میں پھر بھی اسلامی قانون رائج تھا۔ اور عام لوگوں کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صوفیاء انجام دیتے تھے۔ اس وجہ سے اگرچہ وہ معاشرہ اس درجہ کا تو نہیں تھا جس درجہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں تھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ لوگوں کی عام حالت اتنی بگڑی تھی جتنی بعد میں بگڑی اور نہ لوگ اسلام کے علم سے اس قدر بے بہرہ تھے جس قدر بعد میں ہوئے۔ شراب نوشی مسلمانوں میں ناپید تھی۔ لوگ گناہ کرتے تھے مگر اعلانیہ بے باکی کے ساتھ نہ کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں جب انگریزی حکومت اول بنگال میں قائم ہوئی۔ چوری وہاں ناپید تھی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں سے جھوٹ کی کوئی توقع نہیں کرتا تھا کہ عدالت میں جا کر کوئی مسلمان جھوٹی گواہی دے گا۔ مسلمانوں کی عام آبادی لکھی پڑھی تھی بلکہ تقریباً سو فیصد خواندہ تھی۔ یہ اٹھارویں صدی کے آخر تک ہماری حالت تھی۔ (۳)

ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو۔ اس کی عزت، عصمت، عفت کا لحاظ رکھا جاتا ہو۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہم اس قوم کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستان کو یورپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے کامل یقین ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی۔ اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا''۔ (۴)

مذکورہ بالا عبارات سے انگریزی عہد سے قبل مسلمانوں کی سماجی و اخلاقی حالت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک سیاسی، معاشی حالت کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں سے قبل چونکہ خود مسلمانوں کی حکومت تھی لہٰذا تمام سرکاری عہدوں پر مسلمانوں کو خاطر خواہ سرکاری ملازمتیں حاصل تھیں۔

سامراجی دور میں مسلمانوں کے حالات:

جس روز برطانوی سامراج نے ہندوستان میں قدم رکھا اسی روز سے اس کی یہ مستقل پالیسی رہی ہے کہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے کمزور کیا جائے۔ سیاسی اور سماجی طور پر مسلمانوں کا زور توڑا جائے۔ اس مقصد کے لیے مسلمان

ریاستوں کو ختم کیا گیا اور اس نظام عدل و قانون کو بدلا گیا جو صدیوں سے یہاں قائم تھا۔ اسی غرض کے لیے انتظام مملکت کے قریب قریب ہر شعبے میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہبی، سماجی اور سیاسی و معاشی حیثیت سے تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اور ان پر رزق کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ مغربی تاجر خود غرض تھے۔ ان کی تجارت دھونس اور دھاندلی کی تجارت تھی۔ اندرون ملک انہوں نے اجارہ داریاں اور ٹھیکیداریاں قائم کر رکھی تھیں۔ سمندری حدود میں کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر جہاز رانی نہیں کر سکتا تھا۔ بحیثیت تاجر یا بحیثیت حکمران ان کا مطمع نظر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنا تھا۔ انہوں نے ملک کا بے دریغ استحصال کیا اور ہر چیز جو ان کے ہاتھ لگی، اس کو انگلستان لے گئے۔ یہ دنیا کی عجیب و غریب قسم کی حکومت تھی یہ کسی فرد کی حکومت تھی نہ کسی قوم کی۔ یہ ایک تجارتی کمپنی کی حکومت تھی۔ اقتدار اعلیٰ سات سمندر پار لندن میں کمپنی کے ڈائریکٹروں کے ہاتھ میں تھا۔ جہاں تک عوام کی رسائی سخت دشوار اور ناممکن تھی۔ اس لیے فریاد رسی اور دادرسی عملاً ناممکن ہو گئی تھی۔

تعلیمی اداروں کے اوقاف اور جاگیروں کی ضبطی:

برطانوی حکومت سے قبل مختلف مسلمان حکمرانوں نے عوام الناس کی تعلیم و ترقی کے لیے تعلیمی ادارے اور زمینیں وقف کر رکھی تھیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو تعلیمی، سیاسی اور سماجی طور پر برباد کرنے کے لیے ان وقف شدہ املاک اور جاگیروں کو ضبط کر لیا۔ اس ضمن میں سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

''مسلمان حکمران، فوجیوں کو انعام و اکرام کے طور پر اور مدارس و خانقاہوں کو تعلیم کے لیے زمینیں الاٹ کرتے تھے۔ یہ جاگیریں اور صدیوں سے الاٹ شدہ زمینیں انگریز حکومت نے ضبط کر لیں اور ان جاگیروں اور زمینوں سے وابستہ ہزاروں لوگ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے''۔ (۵)

اسلامی نظام تعلیم کو ختم کرنے کے لیے انگریزوں نے صرف بنگال کے اندر جو مسلمانوں کے اوقاف ضبط کیے، تو صرف ان کی آمدنی کا اسی ہزار روپیہ سالانہ دوسری قوموں کی تعلیم پر صرف ہوتا تھا۔ (٦)

اس سے پورے ہندوستان کے اوقاف کی ضبطی کا جو نقصان مسلمانوں کے اداروں کو ہوا، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سید محمد سلیم لکھتے ہیں:

''جب انگریز ہندوستان آئے تو مسلمان یہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب قوم تھے۔ مسلمانوں میں معیار تعلیم بہت بلند تھا۔ اور خواندگی کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ہزاروں علماء اور مشائخ شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے۔ کمپنی کی حکومت نے اس سرچشمہ کو ختم کرنے اور خشک کرنے کی سکیم بنائی۔ ۱۸۱۸ء میں لارڈ ویلزلی نے قانون بازیافت نافذ کر کے اوقاف، معافیوں اور لاخراج زمینوں کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔ (۷)

حکومت کے اس اقدام سے شعبہ تعلیم کے مالی سوتے خشک ہو گئے۔ تمام دینی مدارس سوکھے درختوں کے پتوں کی طرح گر پڑے۔ نظام تعلیم کی تباہی کے ساتھ ضمنی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ علماء و مشائخ کے ہزاروں خاندان جو صدیوں سے اس شغل سے منسلک تھے ان پر اچانک یہ برق آ گری اور وہ بے روزگاری کا شکار ہو گئے۔ ان دینی مدارس کی تعداد ملک میں ہزاروں میں تھی۔ کیونکہ سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں کو دینی مدارس سے خصوصی دلچسپی اور شغف تھا۔ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کی رپورٹ میں اس کا یوں تذکرہ کیا گیا ہے۔

''دینی مدارس سے مسلمان سلاطین کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ مشہور مصری قلقشندی کی درج ذیل تحریر سے لگتا ہے کہ صرف ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں اس وقت ایک ہزار مدرسے تھے۔ جن میں ایک شافعیوں کا اور باقی سب حنفیوں کے تھے''۔(۸)

طفیل منگلوری کے مطابق انگریزی حکمت عملی سے عربی مدارس رفتہ رفتہ برباد ہو گئے حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے تقریباً ان کا خاتمہ کر دیا۔(۹)

عربی و فارسی زبانوں کی تعلیم پر پابندی:

۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے نے اپنی تعلیمی اسکیم نافذ کی اور عربی و فارسی کی تعلیم یک قلم ختم کر دی۔ اس ایک ضرب سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو ان کے دین سے ان کے شاندار ماضی سے اور برادر مسلمان ممالک سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس طرح ان کے اور ان کے شاندار ماضی کے درمیان انقطاع واقع ہو گیا۔ مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر ہو گئے۔ میکالے نے تو یہ بھی تجویز پیش کی تھی کہ ہندوستان میں عربی رسم الخط ختم کر دیا جائے۔ اس کی جگہ رومن رسم الخط رائج کیا جائے۔ مگر اس باب میں حکومت کو کامیابی نہ ہو سکی۔

قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کی رپورٹ کے مطابق ۱۸۳۴ء میں عدالتوں سے فارسی کو خارج کیا گیا اور ۱۸۴۹ء سے حکومت کی پالیسی میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی۔ ملازمتوں میں انگریزی دان امیدواروں کو ترجیح دی جانے لگی۔ نئی تعلیمی پالیسی کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ مغربی علوم و افکار کے ذریعے ہندوستان میں مغربی تہذیب و تمدن کو ترقی دی جائے۔(۱۰)

زوال علم:

انگریزی عمل داری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدرسے تھے۔ اس طرح چار سو آدمیوں کی آبادی کے لیے اوسطاً ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ مگر انگریزوں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی کثرت اگر ہندوستان میں رہی تو وہ ہماری حکومت کو فنا کر دیں گے۔ اس لیے انہوں نے تعلیم گاہوں کو ملیا میٹ اور تعلیم کو نیست و نابود کر دیا۔ اور تمام موقوفہ زمینوں کو ۱۸۳۸ء میں سرکاری قبضہ میں لے لیا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں جب تعلیم گاہیں مٹ گئیں اور ان کی جگہ دوسرے اسکول اور کالج وغیرہ قائم نہ کیے گئے اور پرانے تعلیم یافتہ افراد آہستہ آہستہ وفات پا گئے تو چاروں طرف ہندوستان میں جہالت اور نادانی کا دور دورہ ہو گیا۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء میں آنریبل انفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ کو پیش کی:

''انصاف یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے۔ ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی عملی ترقی کی ہمت افزائی کے تمام ذرائع کو ہٹا لیا ہے۔ بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس الزام کو دور کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہیے''۔(۱۱)

اندریں حالات علم کا روز بروز زوال ہو رہا تھا اور ہندو مسلمانوں میں مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دروغ گوئی اور جعل سازی جیسے جرائم بڑھ رہے تھے۔

تعلیمی کمیٹی کا قیام:

وائسرائے ہند کی تعلیمی سفارش کے بعد کمپنی نے ۱۸۱۱ء میں ہی ایک کمیٹی قائم کی۔ جس کے روبرو بڑے بڑے انگریزوں نے شہادتیں پیش کیں۔ اس کمیٹی کی سفارش پر پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا گیا۔ جس میں سب سے پہلی بار ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کا مسئلہ باقاعدہ پاس ہوا اور تعلیم کے لیے ایک لاکھ روپیہ سالانہ منظور ہوا۔ اس قانون کی بنا پر ۱۸۱۴ء میں کمپنی کے ڈائریکٹرز کی طرف سے گورنر جنرل ہند کے نام مراسلہ جاری ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ سنسکرت کی سرپرستی کی جائے اور ہندوؤں کے علوم کی حفاظت کی جائے۔ یہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم تھی۔ جو کمپنی نے اپنی عملداری شروع ہونے کے پچاس سال بعد تعلیم عامہ کے لیے منظور کی۔ مگر حکام وقت نے دس سال تک اس رقم کو استعمال نہ کیا۔ لہٰذا ۱۸۲۳ء میں انفنسٹن اور ایف وارڈن کی یادداشتوں کے نتیجہ میں یہ رقم استعمال کی گئی۔ لیکن مندرجہ بالا قانون کے پاس ہونے سے یورپ کے پادریوں کے لیے بھی ایک راستہ کھل گیا اور انہوں نے رفتہ رفتہ ہندوستان میں داخل ہو کر جگہ جگہ انگریزی مدارس قائم کیے۔

لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی:

۱۸۲۳ء میں راجہ رام موہن رائے نے مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ۱۸۲۴ء میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کا اجلاس ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو منعقد ہوا۔ لارڈ میکالے کو اس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ اس کمیٹی کے اراکین میں اختلاف رائے تھا۔ ایک فریق انگریزی زبان میں تعلیم دیئے جانے کا مخالف تھا۔ تو دوسرا حامی تھا۔ جب رائے لی گئی تو فریقین کے ووٹ برابر ہوئے۔ تب لارڈ میکالے نے اپنا فیصلہ کن ووٹ انگریزی زبان کی تعلیم کی تائید میں دیا۔ جس سے انگریزی کے اجراء کا فیصلہ ہو گیا۔

میکالے نے اپنی تحریری رپورٹ میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔ (۱۲)

ڈی ہملٹن نے تعلیمی بدحالی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اس طرح چھوڑنا پڑا جس طرح رومن نے انگلستان چھوڑا تھا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ جائیں گے جس میں نہ تعلیم ہوگی، نہ حفظان صحت کا سامان ہوگا اور نہ ہی دولت ہوگی''۔ (۱۳)

بعد کے حالات اس کے شاہد ہیں۔

مسلمانوں کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش:

مسلمانوں میں احساس کمتری اور کہتری پیدا کرنے کے لیے انگریز مستشرقین نے علم و تحقیق کے نام سے تاریخ کے ایسے نادر اور عجیب و غریب واقعات اور غلط سلط روایات جمع کر کے بڑی عیاری کے ساتھ یہ کوشش کی کہ سکھوں، راجپوتوں اور ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں نفرت پیدا کر دی جائے اور ان کو بالکل الگ تھلگ کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کو غیر ملکی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ (۱۴)

راجپوت اول روز سے مغل حکمرانوں کے دست و بازو رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان ازدواجی روابط بھی قائم تھے۔ انگریزی حکومت کی حکمت عملی یہ تھی کہ راجپوتوں کو مغلوں سے کاٹ دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اودے پور کے ریزیڈنٹ کرنل ٹاڈ نے ''ایام راجستھان'' ۱۸۰۹ء میں لکھی۔

انگریزی مصنفین نے اپنی کتابوں کے ذریعے دنیا بھر میں اس خیال کو شہرت دی کہ ہندوستان اور ہندو مترادف ہیں۔ یہاں بس ہندو بستے ہیں۔ مسلمانوں کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ اس بات کو اتنی شہرت دی گئی کہ آج تک یورپ اور امریکہ میں یہی خیال عام ہے۔ اور ہندوستان کا لفظ سنتے ہی ہندو کا تصور ذہن میں آتا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:

''انگریزی دور میں ایسی تاریخیں لکھی گئیں جس میں ہندوؤں پر مسلمان بادشاہوں کے فرضی اور غیر واقعی مظالم بھیانک صورتوں میں دکھلائے گئے۔ جن میں سے مشہور تاریخ ایلیٹ کی ہے۔ یہ ہندوستان کی جامع تاریخ ہے۔ یہ آٹھ جلدوں میں ہے۔ تلاش مواد کے لیے بڑی کاوش اور جستجو کی گئی ہے۔ یہ تاریخ ایک خاص مقصد کے لیے خاص طرز پر مرتب کی گئی ہے۔ اس میں ہوشیار وکیل کی طرح ایسے تمام واقعات نمایاں کر دیئے گئے ہیں جن سے مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کا کردار تاریک، داغدار اور گھناؤنا نظر آتا ہے۔ اسلامی دور کی تاریخ کی تصویر

کیا۔ پادری کیری نے ۱۸۱۸ء میں بنارس میں عیسائیوں کا ''جے نرائن کالج'' قائم کیا۔ پھر اس کے بعد جگہ جگہ انگریزی کالجز کھلنا شروع ہو گئے۔ بالآخر ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کے مراسلہ کے ذریعے کمپنی کے ڈائریکٹر نے اس پالیسی کا اعلان کر دیا کہ انگریزی زبان سرکاری محکمہ جات میں جاری کر دی جائے''۔(۲۵)

اس طرح ہندوستان کی درس گاہوں میں انجیل کی تعلیمات پورے زور شور سے دی جانے لگی۔ سرشتہ تعلیم کے سر فریڈرک نے ۱۸۵۲ء میں اپنی شہادت دی کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک سکول میں نہیں ہے۔(۲۶)

لہٰذا خدمت انسانی کے نام پر مختلف عیسائی مشنریوں نے ہسپتال اور سماجی و ثقافتی ادارے تشکیل دیے۔ ان میں جزام کے مریضوں، گونگے بہرے اور اندھوں کے لیے ہسپتال اور اسکول کھولے جہاں مریضوں کو مفت طبی سہولتیں، خشک دودھ کے ڈبے، پرانے کوٹ اور کمبل اور چادروں کی شکل میں امداد دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ نقد روپیہ پیسہ بھی غریب نادار اور ان پڑھ لوگوں میں تقسیم کیا جاتا۔ جس سے ان پڑھ لوگ بہت متاثر ہوتے اور مسیحیت قبول کر لیتے۔ یہی طریقہ کار کم وبیش آج بھی مختلف مشنری اداروں میں اب تک رائج ہے۔

مشنری تعلیمی ادارے:

انگریزوں نے ہندوستان میں مسیحیت کے فروغ کے لیے جہاں خدمت انسانی کے نام پر مختلف اصلاحی و فلاحی مراکز قائم کیے وہاں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مشنری سکول بھی جاری کیے۔ مشنریز کا تعلیمی ادارے کھولنے کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کو عیسائی بنایا جائے۔ ایک ذمہ دار انگریز افسر نے یہ کہہ کر کہ ''مشنریوں کا تعلیمی اداروں سے کیا مطلب ہے'' امداد دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن مشنریوں کے عملی تجربات نے انہیں اس بات کا یقین دلا دیا کہ مذہب کی تبدیلی جیسے کام کی تکمیل کے لیے انہیں سکول قائم کرنے پڑیں گے۔

اس ضمن میں نور اللہ سید ان کے اس مقصد کی یوں نشان دہی کرتے ہیں:

''دراصل عیسائی مشنری اداروں کو رابطہ عوام کی حیثیت سے استعمال کرتے تھے۔ ان عمارتوں کا استعمال تعلیمی کاموں کے مقابلے میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے زیادہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ مشنریوں نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اسکول عیسائی تبلیغ کا ذریعہ بھی ہیں اور نتیجہ بھی۔ اور یہ کہ تعلیم اور مشنری کا دونوں کو ساتھ ساتھ کرنا ہوگا۔ یہی احساس تھا جس نے ہندوستان کے مشنری سکولوں کو جنم دیا''۔(۲۷)

دوسری طرف سر سید احمد خان مسلمانوں کی تعلیم کے حق میں تھے اور انگریزی سکول کھولنے کا جنہیں جنون تھا وہ بھی مشن اسکولوں کے خلاف تھے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مشنری سکول بہت جاری ہوئے اور ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی۔ سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے

ہیں۔ بہت بڑے حکام ان میں جاتے تھے۔ اور لوگوں کو ان میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں سے لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے جو کم عمر ہوتے تھے، پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون؟ تمہارا نجات دینے والا کون؟ اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے۔ اسی پر ان کو انعام ملتا تھا"۔(۲۸)

"دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب لوگ سمجھتے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کے لیے یہ مکتب جاری ہوئے ہیں۔ ڈپٹی انسپکٹر ہر گاؤں اور قصبہ میں لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنے لڑکوں کو مکتبوں میں داخل کروائیں"۔(۲۹)

ڈپٹی انسپکٹر حکومت کا نمائندہ ہوتا تھا جو فروغ عیسائیت کے لیے کام کرتا تھا۔ جس کے بارے میں امداد صابری صاحب یوں رقمطراز ہیں:۔

"ڈپٹی انسپکٹر زیادہ تر مشنری ہوتے تھے اور ان کی بڑی اہمیت تھی۔ چھوٹی نوکریوں کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ سٹرفکیٹ پر ڈپٹی انسپکٹر کے دستخط ہونے ضروری ہیں"۔(۳۰)

ان کے دستخط اگر سرٹیفکیٹ پر نہ ہوتے تو نوکری نہیں ملتی تھی۔

اس دور میں عیسائیت کی تبلیغ کے مختلف انداز، اھداف اور مقاصد:

انگریزوں نے برصغیر میں عیسائیت کی تبلیغ اور فروغ کے لیے مختلف طریقے اور انداز تبلیغ اختیار کیے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اعلانیہ تبلیغ ۲۔ تبلیغ بذریعہ تعلیم

۳۔ تبلیغ بذریعہ سائنس ۴۔ تبلیغ بذریعہ خدمت

۵۔ تبلیغ بذریعہ خواتین۔

نادر صدیقی نے برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۴۸ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک مختلف مشنوں، سوسائٹیوں اور ایجنسیوں کی آمد کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:۔

"تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں پاکستان کے موجودہ علاقہ میں کل سترہ مشنز ۳۴۷ مشنریوں کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ ان اعداد و شمار میں رومن کیتھولک وغیرہ شامل نہیں"۔(۳۱)

۱۔ یونائیٹڈ پریس بائی ٹیرین چرچ آمد ۱۸۴۹ء

۲۔ چرچ مشنری سوسائٹی (یونائیٹڈ کنگ ڈم) ۱۸۵۰ء

۳۔ چرچ آف اسکاٹ لینڈ ۱۸۵۶ء

۴۔ یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ (یو۔ایس۔اے) ۱۸۷۳ء

۵۔ سالویشن آرمی ۱۸۸۳ء

۶۔ بربرن مشنری فیلوشپ، ۱۸۹۲ء

۷۔ بائبل اینڈ میڈیکل مشنری فیلوشپ ۱۸۹۳ء

۸۔ یونائیٹڈ سوسائٹی فار دی پروپگیشن آف گاسپل انجلیکن ۱۹۰۰ء

۹۔ ڈینش پٹھان مشن (لوتھرن) ۱۹۰۳ء

۱۰۔ ایسوسی ایٹ ریفارمڈ پریس بائیٹیرین ۱۹۰۶ء

۱۱۔ میونتھ ڈے ایڈونٹسٹ ۱۹۱۳ء

۱۲۔ نیوزی لینڈ ۱۹۱۸ء

۱۳۔ اسکنڈے نیوین فری مشن ۱۹۴۳ء

۱۴۔ افغان بارڈر کروسیڈ ۱۹۴۴ء

۱۵۔ ورلڈ وائیڈ ایونجے لائیزیشن کروسٹڈ ۱۹۳۵ء

۱۶۔ دی ایونجے لیکل لائیزیشن ۱۹۴۶ء

۱۷۔ ورلڈ مشن پریئر لیگ لوتھرن ۱۹۴۶ء

۹۷ سال میں کل سترہ مشنز ۳۴۷ مشنریوں کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ ان اعداد میں رومن کیتھولک وغیرہ شامل نہیں۔ (۳۲)

عیسائی مشنری اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں اس طرح کا عوامی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ سادہ لوح عوام یہ سمجھیں کہ یہ بڑے خدا ترس اور نیک دل لوگ ہیں۔ اور ان میں خدمت انسانی کا جذبہ بے پناہ ہے۔ ان کے ارادے نیک اور آرزوئیں مبارک ہیں۔ نیز ان کے متعلق یہ خوش فہمی بھی کہ یہ بڑے وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔ اور ان میں دوسروں کی طرح تنگ نظری اور تعصب نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف انسانیت کے خادم ہیں۔ ان کی محبت اور شفقت سب کے لیے ہے۔ خواہ ان کے ہم قوم ہوں یا دوسرے مذاہب کے لوگ ہر کوئی ان کی محبت کے دامن میں پناہ لے سکتا ہے۔ اسی طریقہ کار کے تحت برصغیر میں عیسائی مشن وقتاً فوقتاً آتے رہے اور اپنے مخصوص مقاصد کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے رہتے۔

بیروت کالج کے ڈاکٹر جارج ای یوسٹ نے ۱۸۸۸ء میں کہا تھا کہ ''یہ زندگی کی بقا کی لڑائی ہے۔ جو ان پر (مسلمانوں پر) فتح حاصل کرنے کے لیے ہم نے شروع کی ہے۔ ورنہ وہ ہم پر فتح پا لیں گے۔ ہم کو وسطی ایشیا جانا

چاہیے۔عرب جانا چاہیے۔سوڈان جانا چاہیے اور ان لوگوں کو عیسائی بنانا چاہیے۔ ورنہ وہ صحراؤں کو عبور کریں گے اور آندھی کی طرح فراٹے بھریں گے اور ہماری عیسائیت کو ہڑپ کر جائیں گے اور اسے برباد کر دیں گے''۔(۳۳)

ڈاکٹر جارج ای پوسٹ کے اس بیان سے اس دور میں مسلمانوں کے خلاف عیسائی مشنریوں کے ارادے اور عزائم کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

سر سید احمد خان کے بقول:

''پادری صاحبوں کے وعظ نے نئی صورت نکالی تھی۔تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال و جواب چھپنی اور تقسیم ہونا شروع ہوئیں۔ان کتابوں میں دوسرے مذاہب کے مقدس لوگوں کی تنقیص کے پہلو نمایاں ہوتے۔ہندوستان میں وعظ اور کتھا کا دستور یہ تھا کہ اپنے اپنے معبد یا دکان پر بیٹھ کر وہ یہ کہتے کہ جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہ وہاں جا کر سنے۔ دوسری طرف پادریوں کا طریقہ اس کے برخلاف تھا وہ خود غیر مذہب کے مجمع، تیرتھ اور میلے میں جا کر وعظ کہتے تھے۔کوئی شخص حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا۔بعض ضلعوں میں تو یہ رواج نکلا کہ پادری کے ساتھ تھانہ کا چپڑاسی جانے لگا۔پادری وعظ میں صرف انجیل مقدس ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں کو اور مقدس مقامات کو بہت برائی اور ہتک سے یاد کرتے تھے۔جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی''۔(۳۴)

سرکاری ملازمین کو جبری تبلیغ:

مسلمان ملازمین کو عیسائیت کی تعلیم پر مجبور کیا جاتا۔صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آ کر پادری صاحب کا وعظ سنیں۔غرض اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا یا نہیں۔(۳۵)

۱۸۵۵ء میں پادری ''ایڈمنڈ'' نے دارالامارات کلکتہ سے سرکاری ملازمین کے نام سرکلر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی ہے۔تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب کچھ آمدورفت ایک ہو گئی۔ مذہب بھی ایک چاہیے۔ اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی مذہب ہو جاؤ۔(۳۶)

مدھیہ پردیش رپورٹ کے مطابق مشنریز کا طریقہ کار:

اس دور میں جب ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں حد سے بڑھ گئیں اور عوام نے ان سرگرمیوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا تو ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی نے ۷۳ عیسائی مراکز کا دورہ کیا۔۱۱۳۶۰/ افراد سے رابطے اور ملاقاتیں کیں۔اس تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ میں کہ مشنریز ہندوستان کے باشندوں کو اپنے مذہب

میں داخل کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کرتے ہیں:

''اپنے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ عیسائی لڑکیوں سے شادی کرواتے ہیں اور دوسری سہولتیں دیتے ہیں۔ ادھار دیتے ہیں۔ ہسپتالوں میں مسیحی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں اور وہاں پر داخل شدہ مریضوں کے سامنے عیسائی عبادت کرتے ہیں۔ گھریلو معاملات میں دخل اندازی اور مقدمہ بازی میں مدد کرتے ہیں۔ چھوٹے بچوں اور عورتوں کا اغوا ان کا وطیرہ ہے۔ مزدوروں کی بھرتی عیسائی عقیدے کے پروپیگنڈہ کے لیے کرتے ہیں''۔(۳۷)

عیسائی مشنریوں کے طریقہ کار اور کارروائیوں پر اس رپورٹ کے اس اقتباس سے زیادہ بہتر تبصرہ شاید ہی کوئی اور ہو۔ کیونکہ یہ عیسائیوں کے اپنے ہم عقیدہ اور ہم مذہب لوگوں کا تبصرہ ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱- حسین احمد مدنی، مولانا نقش حیات، مکتبہ دینیہ، دیوبند، س۔ن۔ص ،۱۶۳۔

۲- سید محمد سلیم سید، پروفیسر، تاریخ نظریہ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ،۵۴۔

۳- ایضاً ،ص ۴۰۔

۴- نقش حیات، ص، ۱۳۹۔۱۴۰۔

۵- سر سید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ،۱۳۷۔۱۵۵۔

۶- رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، (قائم کردہ صدر ضیاء الحق)، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۱۹۷۹ء، ص ،۳۴۔

۷- تاریخ نظریہ پاکستان، ص ،۶۴۔

۸- رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص ،۴۲۔

۹- منگلوری، طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل، حماد المکتبی، لاہور، س۔ن، ص ،۳۷۔

۱۰- رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس، ص ،۴۲۔

۱۱- مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ،۱۶۷۔

۱۲- میجر باسو، تاریخ التعلیم، ۱۰۵ بحوالہ ''مسلمانوں کا روشن مستقبل''، ص ،۱۷۱۔

۱۳- روزنامہ ملت، دہلی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۳۲ء۔

۱۴- Majar B.D.Basu. Rise of the Christian power in India, Chatter Jee Calcuta,1931. p.2

۱۵- نقش حیات، ص ،۲۵۵۔

۱۶- تاریخ نظریہ پاکستان، ص ،۷۰۔

۱۷- Rise of the Christian power in India, preface

۱۸- بحوالہ تاریخ نظریہ پاکستان، ص ،۷۱۔

۱۹- John Clork, An Abridged History of India, London,1873, p.430

۲۰- محولا بالا۔

۲۱- میجر باسو، تاریخ التعلیم، ص ،۲۰۳، بحوالہ ''مسلمانوں کا روشن مستقبل''، ص ،۱۶۴۔

۲۲- جے آر، چسٹمبر، بشپ، مشنری پیشوا، دی کرسچین سوسائٹی الہ آباد، س۔ن، ص ،۲۱۔۲۲۔

۲۳- مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ،۱۶۶

۲۴- نذیر جان، کلیسائی تاریخ کے نگارشات عظمیٰ، پنیتیکاسٹل پبلشنگ ہاؤس گلبرگ، لاہور، س ن، ص ۵-

۲۵- مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص، ۱۶۹۔

۲۶- مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص، ۱۷۰۔

۲۷- نوراللہ سید، تاریخ تعلیم ہند (مترجم مسعودالحق) ساؤتھ ایشین پبلشرز، کراچی، س ن، ص ۶۴۔

۲۸- اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۳۔

۲۹- ایضاً، ص ۱۲۴۔۱۲۵۔

۳۰- امداد صابری، آثار رحمت، یونین پرنٹنگ پریس، دہلی، س۔ن، ص ۳۴، ۳۸۔

۳۱- محمد نادر صدیقی، پاکستان میں مسیحیت، مسلم اکادمی محمد نگر علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۴۹۵۔

۳۲- محولہ بالا۔

۳۳- اسلام اے چیلنج ٹو فیتھ، بحوالہ ''پاکستان میں مسیحیت''۔ص، ۳۵۱۔

۳۴- اسباب بغاوت ا۔۱۲۴۔

۳۵- ایضاً، ص ۱۲۲۔

۳۶- محولہ بالا۔

۳۷- Govt. of Madhia Pardash, Report Enquiry commitee on Christian Missionary Activities Nagpure,1956.